ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

"جاوید نامہ"

اقبال کا "جاوید نامہ" کیا ہے۔ کن مضامین پر مشتمل ہے۔ حیات و کائنات کی نسبت کیا کیا مباحث اور کون کون سے مسائل اس میں تمثیلی انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ ایک بحرِ بیکراں ہے۔ اس کی نسبت یہ توقع رکھنا کہ کوئی شخص چند لمحوں میں اس کا خلاصہ یا لبِ لباب بیان کر دے گا۔ کسی بھی مفکر یا مقرر کے بس کی بات نہیں۔ اس کتاب میں تخیل اور تمثیل سے کام لے کر ایک سحر نگار مفکر اور فکر انگیز شاعر حکیم نے انسان کی دیرینہ روحانی کشاکش کو نہایت دلنشین انداز میں پیش کیا ہے۔ فیضی نے حکیمانہ حکایات کو شعر کے پیرایہ میں بیان کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ:

امروز نہ شاعرم حکیم دانندۂ حادث و قدیم

لیکن اقبال کی ثروتِ فکر اور وسعتِ شعور کے مقابلے میں فیضی یا عرفی کی حکیمانہ شاعری ہزار فرسنگ پیچھے رہ جاتی ہے۔ شرق و غرب میں افکار و جذبات اور میلاناتِ حیات کا جو تلاطم اس دور میں پایا جاتا ہے وہ اس سے قبل انسانی تاریخ کی کسی صدی میں نظر نہیں آتا۔ اقبال کی قسم کا انسان نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ اقبال کا مرشد عارفِ رومی بھی یہی کہتا تھا کہ:

نہ از شرقم نہ از غربم نہ از خاکِ خراسانم

اور اقبال بھی یہی کہتا ہے:

درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی

اور اپنی قوم کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے جذبات اور افکار کو شرق و غرب کی قید سے آزاد کرو۔ نہ ایشیا کی روحانی بلندیوں کی مدح سرائی کرو اور نہ مغرب پرست ہو کر اس کے نقال بنو۔ انسانوں کی اس وقت ہر جگہ وہی حالت ہے جسے قرآن نے اخلد الی الارض کہا ہے۔ مشرق نے جھوٹی مذہبیت سے انسانیت کو ذلیل کر رکھا ہے اور مغرب دنیا کو جنت بنانے کی کوشش میں اس کو جہنم میں ڈھکیلتا رہتا ہے:

بگزر از خاور و افسونِ افرنگ مشو
کہ نیرزد بسجوئے ایں ہمہ دیرینہ و نو

یہ قدیم بھی لئیم ہے اور یہ جدید بھی پلید ہے۔ انسانیت کا وقار بلکہ اس کی بقا فکر اور عمل کے نئے سانچوں کی تلاش میں ہے۔

جاوید نامہ میں اقبال نے قدیم اور جدید تمام اہم تحریکات اور اسالیبِ حیات کا جائزہ لیا ہے۔ اس کی تنقید حکیمانہ اور عارفانہ ہے۔ لیکن تمام "جاوید نامہ" میں نفی کے ساتھ اثبات کا پہلو موجود ہے۔ شرق و غرب میں تمام اقوام کی زندگی میں جو پیکارِ افکار ہے وہ اس کتاب میں ملتی ہے۔ اقبال ایک آفاقی مفکر ہے۔ اس کے مخاطب فقط مسلمان نہیں۔ اگرچہ اپنی ملت کے احیاء اور نشاۃ ثانیہ کو وہ اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہے۔ اقبال کا تمام فلسفۂ حیات اس کتاب کے اندر موجود ہے۔ اور اپنے زاویۂ نگاہ کی وضاحت کے لئے وہ دیگر مذاہب پر بھی ایک بے تعصب اور منصفانہ نگاہ ڈالتا ہے۔ اس میں آپ کو عارفِ ہندی بھی ملتا ہے اور گوتم بدھ اور زرتشت بھی اپنے مخصوص اندازِ فکر کے ساتھ آپ کے سامنے آتے ہیں۔ قرآن نے خدا اور عالم و آدم کا کیا تصوّر پیش کیا، یہ اس شدّتِ تاثر اور وسعتِ فکر کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اسلامی ادب میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ محکماتِ عالم قرآنی کیا ہیں۔ خلافتِ آدم سے کیا مراد ہے۔ حکومتِ الٰہی کسے کہتے ہیں۔ عقل اور عشق کے امتیازی خصوصیات کیا ہیں۔ اور ان میں باہمی توافق و تخالف کس قسم کا ہے۔ ان کی ہم آہنگی سے زندگی ارتقائے لامتناہی کی منزلیں کس تیزی سے طے کر سکتی ہے۔ اشتراکیت کیا ہے۔ ملوکیت کیا ہے۔ دین و وطن کی آویزش شرق و غرب میں کیا کیا صورتیں پیدا کر چکی ہے اور اس وقت مسلمانوں کو اس کا کیا حل تلاش کرنا چاہیئے۔ سرمایہ دار اور محنت کشی کی پیکار کیوں ہے۔ غرضیکہ اس کتاب میں عصرِ حاضر میں انسانی زندگی کے تمام زندہ مسائل ایک زندۂ جاوید انسان نے عارفانہ تنقید کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

"جاوید نامہ" کی بہت سی امتیازی خصوصیات ہیں۔ خاص طور پر اس کی قابلِ تحسین خوبی یہ ہے کہ اس میں علامہ اقبال نے ایسے مفکرین اور پیشوایانِ ادیان کے ساتھ بھی کمال درجہ کی رواداری بلکہ عقیدت برتی ہے جن کے متعلق عام طور پر مسلمان اچھے جذبات نہیں رکھتے۔ مہاتما بدھ کے نظریۂ حیات کو چند اشعار میں نہایت بے تعصبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ حالانکہ کثرت سے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ بدھ خدا کا منکر تھا اور محض نفیٔ حیات کی تلقین کرتا تھا۔

کوتاہ نظر شارحین نے اقبال کو ہر قسم کے تصوّف کا دشمن سمجھ لیا ہے حالانکہ بلند انداز کے تصوّف کا کثیر حصّہ اس کے تفکّر و تاثر کا ایک جزو لاینفک ہے۔ منصور حلاج کے ہم عصر اور کم نظر ملاؤں نے اس کو ملحد و کافر قرار دے کر اس کو مصلوب کرا دیا۔ لیکن اقبال اس کو اسرارِ خودی کا کاشف سمجھتا ہے۔ اقبال نے فلک مشتری میں ارواحِ جلیلۂ حلاج و غالب و قرۃ العین طاہرہ کو یکجا کر دیا ہے۔ اور نوائے حلاج و نوائے

غالب ونوائے طاہرہ "جاوید نامہ" کا ایک دلکش حصّہ ہیں۔ اقبال علی محمد باب اور بہاءاللہ کی تحریک کو جنھوں نے ایرانی مجتہدوں کے جمود اور رجعت پسندی سے تنگ آکر ایک نئی نبوّت قائم کردی، ملّتِ اسلامیہ کے لئے باعثِ فساد سمجھتے تھے۔ لیکن اس تحریک کی ایک مخلص شہید قرۃ العین طاہرہ کی وہ غزل جو اہلِ دل کے اندر ارتعاش پیدا کرتی ہے "جاوید نامہ" میں درج ہے:

گر بتو افتدم نظر، چہرہ بہ چہرہ رو برو
شرح دہم غمِ ترا، نکتہ بہ نکتہ، مو بمو
از پئے دیدنِ رخت ہمچو صبا فتادہ ام
خانہ بخانہ، در بدر، کوچہ بکوچہ، کو بکو
می رود از فراقِ تو خونِ دل از دو دیدہ ام
دجلہ بدجلہ، یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ، جو بجو

حلاج اور قرۃ العین کے ساتھ غالب بھی موجود ہے۔ جو اس کا اقرار کرتا تھا کہ عجمی ہونے کی وجہ سے میں دینِ عربی کا رمز شناس نہیں بن سکتا۔

"اسرارِ خودی" کے انگریز مترجم پروفیسر نکلسن نے عارف رومی کی داد دیتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس شخص میں کمال درجہ مذہبی رواداری تھی اور اس کا مقابلہ ڈانٹے سے کیا ہے، جس کی مشہور تصنیف "ڈیوائن کومیڈی" "جاوید نامہ" ہی کے انداز کی ہے۔ ڈانٹے نے محمد عربی صلعم کا ٹھکانا بھی جہنّم میں دکھایا ہے۔ عارفِ رومی کی سی رواداری اس کے مرید اقبال میں بھی موجود ہے اور یہ رواداری اور عدم اکراہ فی الدین درحقیقت اس اصلی اسلام کا فیض تھا جو ہر حسنِ فکر و عمل کی داد دیتا ہے، خواہ اس کا سرچشمہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

لیکن رواداری کے بھی آخر کچھ حدود ہیں۔ اقبال نے بھی کچھ مشہور انسانوں کو جہنم میں ڈالا ہے۔ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو انسانیت اور ملّت سے غدّاری اور ظلم کی وجہ سے رحمت کے مستحق نہ رہے۔ ان کو ایک ایسے خوفناک عالم میں دکھایا ہے جس کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں:

عالم مطرود و مردودِ سپہر — صبح او مانندِ شام از بخلِ مہر
منزلِ ارواح بے یوم النشور — دوزخ از احراقِ شاں آمد نفور
اندرونِ او دو طاغوتِ کہن — روح قومے کشتہ از بہرِ دو تن
جعفر از بنگال و صادق از دکن — ننگِ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن
در گلش تخمِ غلامی را کہ کشت — ایں ہمہ کردارِ آں ارواحِ زشت

"جاوید نامہ" میں اگرچہ سب کچھ افلاک کی سیر میں دکھایا گیا ہے۔ لیکن اقبال کی نظر گاہ زیادہ تر یہی کرۂ ارض اور اس میں نائب الٰہی آدم ہے۔ مناجات میں علامہ فرماتے ہیں:

آنچہ گفتم از جہانے دیگر است
ایں کتاب از آسمانے دیگر است

لیکن تمام کتاب میں اس آسمانے دیگر کا تعلق اس خاک سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ "جاوید نامہ" ایک مناجات سے شروع ہوتا ہے لیکن اس مناجات میں بھی ابتدائی اشعار خدا کے متعلق نہیں بلکہ انسان کے متعلق ہیں۔ اقبال کو تمام عمر ایک نئے آدم کی تلاش رہی اور اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ خدا بھی آدمی ہی کی تلاش میں ہے:

خدا ہم در تلاشِ آدمی ہست

اس مناجات کا پہلا شعر انسان اور اس کی بے تابی ہی کو بیان کرتا ہے۔ اس بارے میں اقبال غالب کا ہم نوا ہے۔ اس کے کلیات اُردو کا پہلا شعر بھی انسان ہی کے نفسِ مضطرب کو پیش کرتا ہے۔ انسان کا نفس پیچ و تابِ حیات کی وجہ سے ایک فریادی نفس ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مولانا روم کی مثنوی بھی فریاد ہی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک جنت سے نکلا ہوا اور دوسری جنت کا طالب انسان لازماً بے تاب اور سراپا اضطراب رہے گا:

بشنو از نے چوں حکایت می کند — وز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

"جاوید نامہ" کی مناجات کا آغاز بھی یہی کیفیت پیش کرتا ہے:

آدمی اندر جہانِ ہفت رنگ — ہر زماں گرمِ فغاں مانندِ چنگ
ایں جہاں صید است و صیادیم ما — با اسیرِ رفتہ از یادیم ما؟
زیستم تا زیستم اندر فراق — دانما آنسوئے ایں نیلی رواق
بستہ درہا را بر ویم باز کن — خاک را با قدسیاں ہم راز کن
زار نالیدم صدائے برنخواست — ہم نفس فرزندِ آدم را کجاست؟
آتشے در سینۂ من بر فروز — عود را بگداز و ہیزم را بسوز

اس تمام سیر میں عارف رومی اقبال کا رہنما اور رہبر ہے۔ بعض اوقات اہلِ علم بھی پوچھتے ہیں کہ اقبال

جو خود ایک اعلیٰ درجے کا مفکر اور ایک گہرے روحانی وجدان سے فیض یاب ہے اس نے مسلمانوں کی تمام فکری اور روحانی تاریخ میں جلال الدین رومی کو منتخب کرکے کیوں اس کی مریدی اختیار کی۔ میں اس کا مختصراً جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ فکر و ذکر کا جو امتزاج عارف رومی میں ملتا ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں مثنوی میں جو آدم پیش کیا گیا ہے وہ قرآن ہی کا آدم ہے جو ایک مسجود ملائک اور مسخر کائنات ہستی ہے۔ یہ ایک نصب العینی ہستی ہے جس کی اساسی صفات میں کمال درجے کا علم اور کمال درجے کا عشق الٰہی ہم آہنگ ہیں۔ مولانا روم کے نزدیک محض علم عشق سے معرا ہو کر ابلیسانہ زیرکی رہ جاتا ہے:

می شناسد ہر کہ از سر محرم است
زیرکی زابلیس و عشق از آدم است

اس تعلیم کو مثنوی میں جا بجا نہایت حکیمانہ اور دل آویز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس تعلیم کے ساتھ نظریۂ ارتقائے حیات بھی وابستہ ہے جس کو جس یقین اور طریقے سے عارف رومی نے بیان کیا ہے اس کی مثال نہ کہیں اسلامی مفکرین میں نظر آتی ہے اور نہ غیر اسلامی فلسفوں میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔ علامہ اقبال فکر و تحقیق اور اپنی طبیعت کے تقاضے سے زندگی کی نسبت ارتقائی زاویۂ نگاہ اختیار کر چکے تھے۔ اس تعلیم کے لئے ان کو رومی سے بہتر کوئی مرشد نہ مل سکتا تھا۔ مولانا روم اپنے عصر کی تمام حکمت پر حاوی تھے۔ ان کے پاس حکمت یونانی بھی تھی اور حکمت ایمانی بھی۔ اور وہ گہرے تفکر اور روحانی وجدان سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ کائنات بے جان مادی ذرات پر نہیں بلکہ ارواح پر مشتمل ہے، جن کا مصدر خدا ہے اور منتہیٰ بھی ذاتِ الٰہی ہے۔ ان کے نزدیک جمادات کا فی نفسہٖ کوئی وجود نہیں۔ جنہیں خاک کے ذرّے کہتے ہیں وہ بھی زندہ ہیں اور خدا کی طرف رُخ کرکے اسے منزلِ مقصود سمجھ کر ارتقا کوش ہیں:

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند

جسے ہم ارواح کہتے ہیں وہ پُشت آئینہ نفوس ہیں:

آئینۂ کردم عیاں رویش دل و پشتش جہاں

اقبال بھی کائنات کو روحانی اور ارتقا کوش سمجھتے تھے۔ اور ان کا کامل یقین تھا کہ یہی حقیقت حیات ہے اور زندگی کے تمام مسائل کا حل اس عشق سے ہو سکتا ہے جو رجعت الی اللہ کے میلان اور جذبے کا نام ہے۔ حکمت بالغہ بھی اسی عشق سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تمام نظریۂ حیات رومی اور اقبال میں مشترک ہے۔ اور مسلمانوں میں کوئی دو مفکر اس بارے میں اتنے ہم آہنگ نہیں جتنے کہ عارف رومی اور علامہ اقبال۔ نہ مولانا روم کا

تصوّف حیات گریز ہے اور نہ اقبال کا عشق محض صوفیانہ ہوحق ہے۔ اقبال نے "جاوید نامہ" میں اکثر اہم مسائل کا جواب رومی کی زبان سے پیش کیا ہے۔ اوران جوابوں میں رومی اور اقبال کا تعلق کچھ اس انداز کا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ سقراط اور افلاطون کا۔ افلاطون نے اپنا اہم ترین فلسفہ سقراط کی زبان سے بیان کیا ہے۔ اور آج تک یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ افلاطون کے مکالمات میں جہاں سقراط کی زبانی کچھ بیان ہُوا ہے وہ خیال سقراط کا ہے یا افلاطون نے اپنے مرشد کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ جہاں مرشد و مرید میں کمال درجے کی ہم آہنگی پیدا ہو جائے وہاں یہی کیفیت ہوتی ہے۔ رومی اور اقبال کی ہم آہنگی ایک مستقل اور وسیع مضمون ہے جس پر بحث کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ "جاوید نامہ" میں سے اس کی فقط ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ ایک تارک الدنیا ہندو جوگی غار ہائے قمر میں خلوت گرفتہ اس انداز میں ملتا ہے :

موئے بر سر بستہ و عریاں بدن — گرد او مارے سفیدے حلقہ زن
آدمے از آب و گِل بالاترے — عالم از دیر خیالش پیکرے
وقت او را گردشِ ایّام نے — کارِ او با چرخ نیلی فام نے

اس ہندو جوگی نے شنکر آچاریہ کی نرگن ویدانت یعنی اس وحدتِ وجود کا نظریہ اختیار کر رکھا ہے جو وحدتِ بے صفات کے علاوہ نہ عالم کی قائل ہے اور نہ آدم کی۔ جوگی کا نظریہ یہ ہے :

عالم از رنگ است و بے رنگی است حق
چیست عالم چیست آدم، چیست حق؟

اقبال کی زبانی رومی کا جواب اس کی تردید میں نہایت جامع انداز میں پانچ اشعار میں موجود ہے۔ زاویہ نگاہ وہی ہے جو اقبال اور رومی میں مشترک ہے :

آدمی شمشیر و حق شمشیر زن — عالم این شمشیر را سنگ فسن
شرق حق را دیدہ و عالم را ندید — غرب در عالم خزید از حق رمید
چشم بر حق باز کردن بندگی است — خویش را بے پردہ دیدن زندگی است
بندہ چوں از زندگی گردد برات — ہم خدا آں بندہ را گوید صلوٰت

ہر کہ از تقدیرِ خویش آگاہ نیست
خاکِ او با سوزِ جاں ہمراہ نیست